میرے عظیم استاذ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم
رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

استاذ الاساتذہ، رئیس المحدثین، بانی جامعہ فاروقیہ، وصدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کی عظیم دینی شخصیت کا دائرہ خدمات بہت وسیع ہے، اور تدریس وتربیت، تحقیق و تصنیف اور تبلیغ وجہاد کے میدانوں میں تو دور دور تک اتنا پھیلا ہوا ہے کہ کسی ایک مضمون میں ان کو سمیٹنا مجھ جیسے کوتاہ قلم کے لئے ممکن نہیں۔

حضرت سے بندے کا تعلق اگرچہ گوناں گوں جہتوں میں آخر تک رہا لیکن گہرا تعلق جو سب تعلقات پر بھاری ہے تلمذ اور شاگردی کا تعلق ہے، وہ میرے انتہائی شفیق ومہربان استاذ تھے، اپنے اسی تعلق کے حوالے سے کچھ حالات وواقعات، اور جذبات واحساس تحریر میں لانا چاہتا ہوں لیکن افسوس کہ بندہ تحریر کے سلسلے میں بہت کوتاہ اور سُست واقع ہوا ہے، ڈر ہے کہ اس غیر اختیاری کوتاہی کی وجہ سے اپنے محترم اور عظیم وشفیق استاذ کے بارے میں جو جذبات واحساسات دل میں ہیں اُن سب کو بیان کرنے سے بھی بندہ قاصر رہے گا۔ تاہم "مالا یدرك کُلُّه لا یترك کُلُّه" کے اصول پر عرض ہے:

بندے کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق کی سعادت اُسی سال ملی جب دارالعلوم کراچی، نانک واڑے سے منتقل ہو کر ایک پرانے گاؤں "شرافی" کے قریب لق ودق صحرا میں قائم ہوا، اس وقت یہاں نہ کورنگی ٹاؤن آباد ہوا تھا، نہ لانڈھی کالونی بنی تھی نہ ڈیفینس سوسائٹی کا دور دور تک کوئی تصور تھا، بس جھاڑیوں اور ریت کے ٹیلوں سے اَٹا ہوا ریگستان تھا، جو ساحل سمندر تک چلا گیا تھا، کراچی کی آبادی تقریباً بارہ، تیرہ (۱۲، ۱۳) میل کے فاصلے پر تھی، جہاں جانے کے لئے کوئی سڑک بھی نہیں تھی، اسی ریگستان میں اونٹ گاڑیوں کے گزرتے رہنے کی وجہ سے ایک کچی سڑک سی بن گئی تھی، جب ہم یہاں سے گھر جاتے تو کہتے تھے کہ "کراچی جارہے ہیں" اور جب واپس آتے تو کہتے تھے

''شرافی جارہے ہیں''، بندے کے ساتھ برادر عزیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب -حفظہ اللہ- بھی اور ہمارے بھانجے مولانا حکیم سید مشرف حسین صاحب مرحوم بھی منتقل ہوئے، یہاں ہم تینوں کا قیام ایک ہی کمرے میں تھا، یہاں جن اساتذہ کرام سے ہم دونوں بھائیوں کو نیا نیا شرفِ تلمذ حاصل ہوا وہ تین بزرگ تھے، یعنی حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اکبر علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق بھارت، صوبہ یوپی، ضلع مظفر نگر کے ایک قصبے جلال آباد سے تھا، وہیں سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے تھے، اور یہاں دارالعلوم ٹنڈو الہ یار (سندھ) کے مدرسے میں کچھ عرصہ فرائض تدریس انجام دینے کے بعد ۵ شوال المکرّم ۱۳۷۶ھ کو مع اہل خانہ دارالعلوم کراچی تشریف لے آئے۔ (۱)

ہمارے دینی مدارس کا تعلیمی سال ماہِ شوال سے شروع ہو کر شعبان میں ختم ہوتا ہے، اس طرح ہمارا یہ تعلیمی سال شوال ۱۳۷۶ء سے شروع ہو کر شعبان ۱۳۷۷ء میں ختم ہوا۔ ہم نے اُس تعلیمی سال یعنی ۷۶-۱۳۷۷ھ میں حضرت والا سے دو اہم کتابیں پڑھیں، ایک فقہ کی مشہور ترین نصابی کتاب ہدایہ اخیرین، -دونوں جلدیں- یہ درس صبح کے پہلے دو گھنٹوں میں ہوتا تھا، دوسری فلسفہ کی مشہور کتاب میبذی۔

ان دونوں دروس میں بلکہ بعد کے بھی تمام دروس میں پابندیٔ وقت آپ کا خصوصی امتیاز تھا، ناغے اور رخصت لینے سے ہر ممکن اجتناب فرماتے تھے۔ آپ سبق بہت ذوق وشوق سے پڑھاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ طلبہ بھی اُن کا درس بڑے انہماک سے سنتے تھے۔ آپ اس کا خاص اہتمام فرماتے تھے کہ جب تک تمام طلبہ کو بات سمجھ میں نہ آجائے، سبق کو آگے نہیں بڑھاتے تھے۔

ہم نے پچھلے سال ناک واڑے میں ھدایہ اولین اپنے عظیم وشفیق اور بہت ہی محبوب استاذ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب (ٹونکی) رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، اُن ہی کے فقیہانہ درس سے پہلی مرتبہ یہ بات دل نشین ہوئی تھی کہ علم فقہ انتہائی دقیق اور گہرا ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی دلچسپ فن بھی ہے، جس کے مسائل کی لذت آج بھی ایک قسم کی محویت عطاء کر دیتی ہے۔ اسی طرح فلسفہ کا بھی مجھے شوق تو پہلے سے ضرور تھا، مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ اتنا دلچسپ فن ہے، یہ بات حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس ہی سے سامنے آئی، اس کے بعد مجھے فلسفے سے خصوصی لگاؤ پیدا ہوا، اور الحمدللہ جدید فلسفے کے مطالعے کی بھی نوبت آئی، ساتھ ہی یہ بھی

سوال پیدا ہوا کہ لوگ فلسفے کو مشکل فن کیوں سمجھتے ہیں، بلاشبہ یہ دقیق فن تو ضرور ہے لیکن مجھے کبھی مشکل محسوس نہیں ہوا یہ حضرت ہی کے درس کی برکت تھی۔

طلبہ کے ساتھ شگفتگی، بے تکلفی، شفقت اور سادگی آپ کے خاص اوصاف ہیں، جن کے باعث سبق کے علاوہ بھی آپ کے ساتھ ملاقات بہت دلکش اور پر لطف ہوتی تھی، آپ کے درس میں ہمیں تھکن کا احساس بالکل نہیں ہوتا تھا۔

اگلے تعلیمی سال ۷۷-۱۳۷۸ھ (جو ''موقوف علیہ'' کا سال تھا) ہمارا کوئی سبق اگرچہ آپ کے پاس نہیں تھا، لیکن ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا شمس الحق خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کے شاگرد خاص تھے، اور اُن دونوں حضرات کا تعلق آپس میں دوستانہ سا تھا، اور تقریباً ایسا ہی تعلق اب ہمارا حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہوگیا تھا، اس طرح ان دونوں اساتذہ کرام کے ساتھ ہمارے رابطے، بے تکلفی اور میل جول میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

اُس کے اگلے تعلیمی سال ۷۸-۱۳۷۹ھ میں دورۂ حدیث میں جامع ترمذی کا سبق ہماری خوش نصیبی سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا۔ اس درس میں حضرت والا نے طلبہ پر ایک خاص عنایت یہ فرمائی کہ پورے درس کی تقریر کا املا کرواتے تھے، چنانچہ اس املا سے جو تقریرِ درس میری ضخیم کاپی میں تیار ہوئی، بحمداللہ آج بھی محفوظ ہے اور پانچ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے، آپ کی ہر تقریر و تحریر ہمیشہ نہایت منضبط، مرتب اور لفظی رعایتوں کے ساتھ بہت آسان ہوتی تھی، آخر حیات تک حضرت والا کی پیرانہ سالی کے باوجود آپ کی تحریر کا یہی انداز تھا، بلکہ آپ کی عام فی البدیہ تقریر کو بھی پیرانہ سالی کے باوجود اگر ضبطِ تحریر میں لایا جاتا تو کسی لفظ کی کمی بیشی کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی- الّا ماشاء اللہ- کبھی کبھی درس میں آپ کتاب جامع ترمذی کی عبارت خود بھی نہایت خوش الحانی کے ساتھ دیر تک پڑھتے جاتے تھے جس کا لطف آج بھی یاد آتا ہے۔

ترمذی کے سالانہ امتحان کا ایک واقعہ:

اس سال شعبان ۱۳۷۹ھ میں جب سالانہ امتحانات شروع ہوئے تو جامع ترمذی شریف کا امتحان جس دن ہونا تھا وہ ہفتے کا دن تھا، ہم اُس سے پہلے، جمعرات کو حسبِ معمول ''کراچی'' گئے، ہمارا مکان اس زمانے میں گارڈن ایسٹ میں لسبیلہ چوک کے پاس تھا، جمعہ کی سہ پہر کو تقریباً چار بجے ''شرافی'' واپس جانے کے لئے روانہ ہوئے، بس میں لی مارکیٹ پہنچے، وہاں سے باون (۵۲) نمبر بس (جو شرافی گوٹھ والوں ہی کی تھی) پانچ بجے شرافی

گوٹھ کے لئے جایا کرتی تھی، مگر جب ہم پہنچے تو بس بھر چکی تھی بلکہ کچھ لوگ چھت پر بھی سوار تھے، وہ روانہ ہوگئی۔

اب شرافی تک پہنچنا بہت بڑا مشکل مسئلہ تھا، یہ ایک دردناک داستان ہے کہ لی مارکیٹ سے صدر پہنچنے کے بعد ہم نے وہاں سے شرافی گوٹھ (دارالعلوم) تک کا سفر کس طرح طے کیا، کہیں پیدل بھی چل کر اور صحرا کو عبور کر کے رات کو تقریباً بارہ (۱۲) بجے دارالعلوم پہنچے، یہاں سب سو چکے تھے مطبخ بھی بند ہو چکا تھا، کھانا ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا، بھوکے ہی سو گئے، صبح امتحان کی تیاری کی دُھن میں ناشتے کا وقت بھی نہ مل سکا، مقررہ وقت کے مطابق صبح پونے آٹھ بجے امتحان گاہ میں پہنچے، امتحانات کی نگرانی اس زمانے میں عام طور سے اسی استاذ کے ذمے ہوتی تھی جس کے زیر درس وہ کتاب رہی ہو، چنانچہ جامع ترمذی کا امتحان تھا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی ہمارے نگراں تھے، حضرت استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے الحمدللہ ہم نے جامع ترمذی بہت شوق اور محنت سے پڑھی تھی، جواب لکھنے بیٹھے تو وقت کا پتہ ہی نہ چلا، شاید بیس، بائیس سے بھی زیادہ صفحے پہلے ہی سوال کے جواب میں لکھے گئے، اور امتحان کا وقت جو غالباً بارہ بجے ختم ہونا تھا وہ سر پر آ گیا لکھنے کے شغف میں بھوک کی طرف بھی دھیان نہیں ہوا حالانکہ اس وقت تک ہم پر تقریباً اکیس گھنٹے کا فاقہ ہو چکا تھا۔

پریشانی اور حضرت والا کی شفقت:

بھوک سے بھی زیادہ پریشانی اس بات کی ہوئی کہ ابھی ایک یا دو سوالات کے جواب باقی تھے جبکہ وقت ختم ہو چکا تھا، ہم نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر تقریباً سرگوشی کے انداز میں درخواست کی کہ وقت میں ہمیں مہلت دے دیجئے۔ حضرت ذوق وشوق اور محنت سے پڑھنے والے طلبہ کے ساتھ خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے، فرمایا: ٹھیک ہے تم جواب لکھو میں یہیں بیٹھا ہوں، حضرت نے گھر سے اپنا کھانا بھی وہیں منگوالیا اُس زمانے میں صرف چند اساتذہ کرام کی رہائش یہاں تھی وہ بھی کچے پکے چھوٹے چھوٹے مکانوں میں حضرت والا کا قیام ایک چھوٹے سے مکان میں تھا، جو بعد میں کئی سال مولانا مفتی عبدالرؤوف صاحب سکھروی کے زیر رہائش رہا، حضرت نے کھانا غالباً ہمارے لئے بھی منگایا تھا، مگر ہم تو شاید جواب لکھنے کے انہماک میں نہ کھا سکے، یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہوگئی اور ہم نے اپنے پرچے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ یہ بھی ہم پر حضرت کا اتنا بڑا احسان ہے کہ بھلایا نہیں جا سکتا حالانکہ اُس وقت ہم نے حضرت کو اپنی وہ پتا بھی نہیں بتائی تھی جو اوپر بیان کی۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد:

دورۂ حدیث کے بعد جب ہم پر تدریس کی ذمے داری آئی تو اس زمانے میں اگرچہ آپ سے درس کا

تعلق باقی نہ رہا تھا، لیکن شام کو عصر سے مغرب تک ہم دونوں بھائی اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے گھر پر جمع ہو جاتے اور کبھی گھومنے کے لئے باہر شرافی گوٹھ کے کھیتوں اور باغات وغیرہ میں بھی نکل جاتے ، یہ بڑا پر کیف وقت ہوتا تھا، جب حضرت کے دولت خانے پر جمع ہوتے تو حضرت کی طرف سے ہماری ایک خاص تواضع تمباکو والے مزیدار پان سے ہوتی تھی۔ ہمیں پان تمباکو کی عادت مشکوٰۃ (موقوف علیہ) کے سال سے پڑی ہوئی تھی۔

چنانچہ جب کبھی اس طرح کا اجتماع ہمارے کمرے میں ہوتا تو ہم بھی حضرت کی تواضع پان تمباکو سے کرتے تھے۔ یہ عادت ہمیں اس وجہ سے پڑی تھی کہ رات کو اسباق کے تکرار اور مطالعہ کے لئے دیر تک جاگنا ہوتا تھا، اور جب تک منہ میں پان رہے، نیند سے بچے رہتے تھے، دورۂ حدیث کے سال میں یہ عادت مزید بڑھی، اور تدریس کے زمانے میں تو اور بھی پختہ ہوگئی۔ چنانچہ ہمارے پاس بھی ایک پان دان تیار رہنے لگا۔

حضرت کی ایک اور شفقت ''پان کی عیاشی'' :

ہم دونوں بھائی شدت سے محسوس کرتے تھے کہ یہ پان کی عادت صحت کے لئے تو مضر ہے ہی، اس کی ناز برداریوں میں وقت بھی بہت خرچ ہو رہا تھا، کبھی کتھا کم، چونا زیادہ، کبھی برعکس، اور کبھی تمباکو مزیدار، کبھی پھیکا، وغیرہ وغیرہ، پھر پانوں کو یہاں لق ودق صحرا میں فراہم کرنا، اور گلنے سے بچانا بھی ایک لمبا دھندا تھا، کچھ دنوں ہم یہ عادت چھوڑنے کی منصوبہ بندی کرتے رہے، بالآخر ایک دن ہم نے یہ عزم کر کے پان کھانا بالکل چھوڑ دیا کہ اب کبھی نہیں کھائیں گے۔

شام کو حضرت کے پاس حاضری ہوئی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حسب معمول پان دان ہمارے سامنے کر دیا، ہم نے صورتحال عرض کی، تو حضرت خاموش ہو گئے، کئی دن تک اسی طرح ہوتا رہا، اب حضرت صرف اپنے لئے پان لگاتے تھے۔

ایک دن شام کو حاضر ہوئے تو فرمانے لگے: بھئی ایک اہم بات آپ سے کہنی ہے - اس وقت حضرت بالکل سنجیدہ تھے، اور چہرے پر کچھ غم کے سے آثار تھے- فرمایا: دیکھو بھئی ہم پڑھنے پڑھانے والے لوگ ہیں، دینی مشغلے سے وابستہ ہیں، ہماری کوئی عیاشی نہیں سینماؤں میں ہم نہیں جاتے، کھیل تماشوں میں ہمیں جانے کی فرصت نہیں، شراب بحمداللہ ہم نہیں پیتے، کسی قسم کی عیاشی میں ہمارا دخل نہیں، لے دے کہ صرف ایک عیاشی پان کھانے کھلانے کی تھی، وہ تم نے خراب کر دی - یہ بات کہتے کہتے حضرت اپنا پان منہ میں ڈال کر دو پان مزید تیار کر چکے۔

تھے، وہ ہماری طرف بڑھا دیئے- حضرت کا عطیہ تھا کئی دن بعد کھایا تو مزا بہت آیا، اور پھر وہی عادت دوبارہ پختگی کے ساتھ زندگی کا حصہ بن گئی - پھر بحمداللہ اب چند سال سے بندے کی یہ عادت چھوٹ گئی ہے- لیکن ایک مرتبہ حضرت کو ان کی وہ نوازش یاد دلائی تو حضرت بہت محظوظ ہوئے۔

اب ان واقعات کو اگرچہ سالہا سال گذر چکے اور دارالعلوم کراچی سے حضرت کا ضابطے کا تعلق بھی کبھی کا ختم ہو چکا ہے، حضرت کا اپنا مستقل ادارہ ''جامعہ فاروقیہ'' ملک کے مشہور و معروف جامعات میں شمار ہوتا ہے، ادھر وفاق المدارس العربیہ پاکستان جیسے ملک گیر عظیم ادارے کی صدارت بھی برسوں سے آخر حیات تک آپ کے ذمہ رہی، اِن تمام گراں بار مشاغل کے باوجود ہمارے ساتھ اہم ملکی و ملی معاملات میں مشاورت کا سلسلہ اُسی شفقت اور بے تکلفی کے ساتھ جاری رہا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو افہام و تفہیم کا ایسا ملکہ عطاء فرمایا تھا کہ بڑے سے بڑے اختلافی معاملات میں بھی لوگ متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے اور مخالفت کی شدت میں نمایاں کمی آجاتی تھی۔

ایک خاص ملکہ جو صرف بڑی شخصیات میں پایا جاتا ہے، آپ کا یہ تھا کہ آپ مختلف الخیال لوگوں کو مشترک مقاصد میں ساتھ لے کر چلنے کے عادی تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے محنت و جفاکشی کی عادت سے بھی مالا مال فرمایا تھا، اِن تمام ملکات کا سب سے زیادہ مظاہرہ خاص طور پر وفاق المدارس کی سربراہی میں ہوا۔

وفاق المدارس کو آپ کی سربراہی چھتیس سال حاصل رہی۔ ۳۰ر نومبر ۱۹۸۰ء میں آپ کو ناظم اعلیٰ وفاق المدارس مقرر کیا گیا تھا، پھر ۸ر جون ۱۹۸۹ء سے وفاق المدارس آپ کی صدارت سے مستفید ہوتا رہا۔

آپ سے پہلے وفاق المدارس عملی میدان میں اتنا پیچھے تھا کہ بہت تھوڑے سے مدارس ہی اس سے ملحق تھے، ملک کے اکثر مدارس اور بڑے بڑے مدارس و جامعات اس سے الگ تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں ہی وفاق المدارس ایک ملک گیر ادارے کی شکل اختیار کر سکا، آپ نے نہایت محنت شاقہ اُٹھا کر بے سروسامانی میں ملک کے تمام صوبوں، شہروں دیہات اور کونے کونے میں خود پہنچ کر، دینی مدارس کو ایک کڑی میں پرو دیا، یہ حکیمانہ محنت برسوں جاری رہی، جس کا نتیجہ آج ایک ایسے وفاق المدارس کی شکل میں موجود ہے کہ مسلکِ دیوبند کے تقریباً تمام چھوٹے بڑے دینی مدارس و جامعات، مکاتیب قرآنیہ، اور مدارس البنات اس سے باقاعدہ اور باضابطہ ملحق ہیں۔ مسلک دیوبند کے جن مدارس و جامعات کا مختلف جماعتوں اور تنظیموں سے تعلق ہے، وہ بھی وفاق المدارس کی چھت کے نیچے بالکل ایک ہوتے ہیں

وفاق المدارس کے تحت پورے ملک کے کونے کونے تک پھیلا ہوا نظامِ امتحانات بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے

کہ ملک کے تمام سرکاری اور پرائیویٹ امتحانی نظاموں میں ایک ممتاز بلکہ منفرد مقام رکھتا ہے۔

وفاق المدارس کی ان تمام پر اعتماد کامیابیوں، ہمہ گیریوں اور افادیت میں وفاق المدارس کے ناظمِ اعلیٰ جناب مولانا قاری حنیف جالندھری کی جان توڑ اور حکیمانہ کوششوں کو بھی بہت بڑا دخل ہے، مگر موصوف کی یہ افادیت بھی بڑی حد تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تربیت اور ہدایات کا عکس ہے۔

بعض دینی وملکی مسائل میں اور وفاق المدارس کے بعض انتظامی امور اور امتحانی نظام کے بعض مسائل میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ہم ناچیز شاگردوں کو اختلاف بھی پیش آیا، بعض امور کی اصلاح ہوگئی اور بعض امور میں انتظار رہا۔ لیکن ہم تلامذہ پر آپ کی بے تکلفانہ شفقت، اور ناصحانہ دلفریبی میں تاحیات کمی نہیں آئی۔

آج جبکہ اس باکمال اور مشفق ومحسن استاذ کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا ہے، یوں محسوس ہو رہا ہے کہ اچانک ہر طرف دھوپ ہی دھوپ پھیل گئی ہے۔ اِنا للّٰہ وانا الیہ راجعون لیکن اللہ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ وہ حضرت والا کی برکات سے محروم نہ فرمائیں گے۔ دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی کامل مغفرت فرمائے، درجاتِ عالیہ سے نوازے، اور ہم سب شاگردوں مستفیدین ومتوسلین، اور احباب واقارب اور سب اہل خانہ کو صبر جمیل اور فلاحِ دارین عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

یادیں بہت ہیں لیکن حسرت اس پر ہے کہ اپنے شدید عوارض کے باعث بہت کچھ نہ لکھ سکا۔ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو قبول فرمالے۔ واللّٰہ المستعان

حاشیہ:

(۱) حساب نکال کر دیکھا تو شمسی کیلنڈر کے حساب سے یہ تاریخ ۶ مئی ۱۹۵۷ء بنتی ہے، یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ اس تاریخ سے پورے ۹ سال پہلے جب ہم ہندوستان سے ہجرت کرکے پاکستان (کراچی) پہنچے تو وہ بھی ۶ مئی کی تاریخ تھی یعنی ۶ مئی ۱۹۴۸ء۔ اور مزید حسن اتفاق یہ کہ اس وقت جبکہ بندہ یہ سطریں لکھ رہا ہے، یہ بھی ۶ مئی کی تاریخ ہے یعنی ۶ مئی ۲۰۱۷ء۔ مجھ جیسے شاگرد کے لئے اپنے استاذِ گرامی سے ایک گونہ مناسبت بھی فالِ نیک ہے۔ ضمناً عرض کردوں کہ میری زندگی میں اور بھی کئی اہم خوشگوار واقعات مئی کے مہینے میں پیش آئے ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔